اسلام اور مغربی تہذیب و معاشرت

ڈاکٹر مصطفےٰ السباعی/ گستاؤ فشر ورلگ

شام میں الاخوان المسلمون کے مؤسس ڈاکٹر مصطفےٰ السباعی [۱۹۱۵ء-۱۹۶۴ء] نے ۱۹۶۳ء میں جرمنی کا دورہ کیا۔ جب واپس آئے تو ان سے جرمن ماہر اُمورِ شرق اوسط گستاؤ فشر ورلگ نے انٹرویو کیا۔ فشر، جرمن ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے خصوصی نمایندے تھے۔ یہ انٹرویو شام کے علمی مجلّے الحضارہ الاسلامیہ نے شائع کیا۔ عربی سے ترجمہ جناب حبیب الرحمان ندوی نے کیا ہے اور اس پر حواشی بھی لکھے ہیں۔ ادارہ

w فشر: آزادی کی اُن تحریکوں اور اجتماعی آرا کے متعلق اسلام کا کیا خیال ہے جن کے ذریعے مسلمان، سامراج اور اس کے اجتماعی غلبے دونوں سے آزاد ہونا چاہتے ہیں؟

r السباعی: اسلام آزادی اور حریت کا دین ہے۔ اس طرح اسلام، مسلمان کو کسی بھی سامراجی طاقت کا غلام بننے سے روکتا ہے۔ اسلام زندگی کے کسی شعبے میں بھی پیچھے رہنے کا مؤید نہیں۔ اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعے ۱۴ سو برس قبل عرب کو تمام بُری چیزوں کی غلامی سے آزاد کیا تھا اور دنیا کی راہبری کے لیے ان کو مشعلِ راہ بنا دیا تھا کہ وہ دنیا کو عدالت، حُریت اور انصاف کا پیغام دیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ انھوں نے وحشی قوموں کو تہذیب کی روشنی بخشی، جاہلوں کا علم کا سبق پڑھایا، اور انسانیت کو خداے واحد کی عبادت کے سوا ہر غلامی وعبودیت سے آزاد کر دیا۔ اس طرح انسانوں میں اس اخوت اور بھائی چارگی کا پرچار کیا کہ آج تک کوئی بھی قدیم و جدید دین یا فلسفہ انسانوں میں اس طرح ہمدردی و محبت کو پیدا نہ کر سکا۔

w پھر عصرِ حاضر میں مسلمان دوسری قوموں سے تمدن میں پیچھے کیوں رہ گئے ہیں؟

r السباعی: اس کے بہت سے اسباب ہیں اور سب سے اہم سبب یہ ہے کہ مسلم

حکومتیں اس وقت سامراجی فکر سے متاثر ہیں اور سامراج، جب سے اسلامی حکومتیں اس کی آزمایش میں مبتلا ہوئی ہیں، برابر اسلام کی جڑوں کو کاٹنے کی کوشش میں مصروف ہے اور اسلام کی تعلیمات کو کتر بیونت کر کے پیش کر رہا ہے، اور نئی پود کو اسلامی روح اور تعلیمات سے یکسر غافل بنانے کی پوری اسکیم پر عمل پیرا ہے۔ اس سلسلے میں ان تمام وسائل کو اختیار کیے ہوئے ہے جو اس کے پاس موجود ہیں۔ اس لیے مغربی حکومتیں ہی ہمیشہ مسلمانوں کو اسلام کی طرف آنے سے روکتی ہیں۔

w مغربی حکومتیں تو مسلمانوں کو اسلام پر عمل کرنے سے نہیں روکتیں۔ میرا خیال ہے کہ امریکا، برطانیہ اور فرانس تو اسلام سے دشمنی روا نہیں رکھتے۔

r السباعی: مشرق سے مغرب کی اور پھر خاص طور پر مغرب کی اسلام سے یہ دشمنی ہمارے نزدیک ایک واضح مسئلہ ہے، جس میں شک کی ایک فیصدی بھی گنجایش نہیں۔ میں صرف ایک معمولی سی مثال دیتا ہوں۔ ابھی جب آپ کے ملک جرمنی سے واپس آرہا تھا تو میں نے وہاں اسلام کی حقیقتوں کے سلسلے میں اسی طرح افترا پردازی دیکھی اور اسلام کو بگاڑ کر پیش کرنے کی ایسی تنظیمی کوششیں دیکھیں کہ میں حیران اور ششدر رہ گیا، اور یہ چیزیں علمی یونی ورسٹیوں، مذہبی پہچان کے حامل گرجا گھروں، تفریحی کلبوں، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ہر فکری مرکز پر موجود تھیں۔

w آپ درست کہتے ہیں لیکن اس کا سبب یہ بھی ہے کہ آپ تمدن و ترقی میں پیچھے ہیں۔

r السباعی: آپ کے تمدّن سے ہم لوگ کس چیز میں آپ کو پیچھے نظر آتے ہیں؟

w مثال کے طور پر عورت کا مسئلہ ہے کہ آپ مسلمان لوگ اب تک عورت کو اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ اپنے شوہر کے ہمراہ کلبوں اور رقص گاہوں میں جا کر برابر کی تفریح کر سکے یا دفتروں اور کارخانوں میں کھلے عام کام کرے۔

r السباعی: کیا آپ کے ملک میں جب عورت گھر سے بالکل باہر نکل گئی تو اجتماعی زندگی میں کوئی نقصان پیش آیا یا نہیں؟ عورت کے اس عمل سے آپ کے ہاں خاندانوں کا وجود سکڑ نہیں گیا ہے۔ گھریلو زندگی اُجڑ گئی، اخلاقی جرم بڑھ گئے۔ عیاشی و بے راہ روی کی راہیں کھل گئیں اور حرامی بچوں کی تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ہوگیا۔ میرا خیال ہے کہ ان باتوں کی واقعاتی حقیقت کے بارے میں شاید آپ انکار نہ کرسکیں۔

w میں اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ ہماری گھریلو زندگی اپنے پورے وسیع مفہوم کے ساتھ اجیرن بن چکی ہے اور ہم اس کی وجہ سے بہت سے نقصانات بھگت رہے ہیں۔ ہمارا خاندانی نظام ٹوٹ چکا ہے اور نفسیاتی عارضے تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ دراصل اس علمی ترقی کی قیمت ہے جو ہم کو ادا کرنا پڑ رہی ہے، وہ علمی ترقی جو ہم نے انسانیت کو عطا کی ہے۔ [1]

r السباعی: اگر آپ کو خود عورت کے باہر نکلنے سے مشکلات پیش آ رہی ہیں اور آپ کو اس کا علم و اندازہ بھی ہے، تو پھر کیوں اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم اپنے اُس ایمانی فلسفے اور اخلاقی اقدار سے ہاتھ دھو بیٹھیں، جن کی وجہ سے ہمارا گھریلو نظام اب تک منظم و متحد ہے۔

w آپ لوگ اس بات کے محتاج ہیں کہ ہماری سائنسی ترقی سے استفادہ کریں اور ہم اس بات کے لیے پوری طرح تیار ہیں کہ ہر معاملے میں آپ کی مدد کریں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ یہ نہیں کر سکتے کہ ہماری تہذیب و ترقی کا ایک رخ اپنا لیں اور دوسرا رخ چھوڑ دیں، بلکہ یہ تہذیب تو آپ کو بھی اپنی اچھائیوں اور برائیوں دونوں کے ساتھ لینی پڑے گی اور آپ لوگوں کو بھی

---

[1] علم کا یورپین نظریہ، ملاحظہ ہو کہ: علم کی ترقی اور سائنس و صنعت کی ترقی اور دین داری، عفت، ایمان اور پاکیزگی ایک ساتھ نہیں چل سکتے اور دونوں چیزوں میں سے کسی نہ کسی کو ضرور قربان کرنا پڑے گا، لیکن اسلام کے علمی نظریے پر غور کیجیے اس سے کتنا مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ط (البقرہ ۲:۲۸۲) ''اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو وہ تم کو علم سکھائے گا''۔ اس لیے علم اور دین اور تقویٰ اور پاکیزگی و عفت اسلام میں دو مختلف چیزیں نہیں کہ جو جمع نہ ہو سکتی ہوں، بلکہ وہ ایسی متحد چیزیں ہیں کہ ان کے اتصال و ملاپ سے دنیا بہشتِ جاوداں بن سکتی ہے اور ان کے جدا ہونے سے شر پروان چڑھانے والی دوزخ کا ایک نمونہ مغربی تہذیب ہے۔ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ ہر دور میں علمی و دینی زندگی ساتھ ساتھ چلی اور رازی [م: ۹۳۲ء] و غزالی [م: ۱۱۱۱ء] سے ابن رشد [م: ۱۱۹۸ء] شیخ الاسلام ابن تیمیہ [م: ۱۳۲۸ء] تک سیکڑوں علم و دین کے ایسے سنگم ہیں، جن پر اسلامی تہذیب فخر کر سکتی ہے۔ اس کے برخلاف آج کی مغربی تہذیب ایمان کے نُور اور روحانی فیوض سے خالی ہے اور اس تہذیب پر مشہور عالم ادیب الڈوس ہکسلے [م: نومبر ۱۹۶۳ء] نے اس طرح تبصرہ کیا ہے کہ ''یہ وہ مشینی تہذیب ہے جو روحانی نُور سے یکسر خالی ہے''____ اس لیے اس تہذیب میں خلیج بڑھتی جا رہی ہے اور علمی و سائنسی ترقی کی طرف بڑھتا ہوا ایک قدم اخلاقی ادبار کا پیش خیمہ اور روحانی زوال کی طرف ہزاروں کلومیٹر کی دوڑ ہوتی ہے۔

وہی قیمت ادا کرنی پڑے گی، جو اس ترقی کے لیے ہم نے ادا کی ہے۔

r السباعی: آپ ذرا ایک بات بتائیے کیا آپ کے ہاں کارخانوں کے قیام اور صنعتی ترقی کے لیے عورت کا گھر سے باہر نکلنا واقعی ایک ایسا ضروری امر تھا؟

w جب ہمارے ہاں صنعتی انقلاب آیا تو اس وقت مردوں کی تعداد کم تھی اور ہم پورے صنعتی توازن کو سنبھال نہیں سکتے تھے۔ اس لیے افرادی قوت کی کمی کو دُور کرنے کے لیے، ہم عورت کو کام پر لگانے کے لیے مجبور تھے۔

r السباعی: مطلب یہ کہ جس چیز کی طرف آپ لوگوں نے مجبوراً قدم اٹھایا ہے، اب ہم کو اس کی آپ بن مانگے کیوں دعوت دے رہے ہیں؟ حالاں کہ ہمارے یہاں مردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ہم عورت کو کارخانوں میں لگانے کے لیے ابھی مجبور نہیں ہوئے ہیں۔ [۱]

تاہم، میری راے یہ ہے کہ مغرب میں عورت کو گھر سے باہر نکالنے کے دو سبب ہیں:

ایک تو یہ کہ آپ لوگ یہ بات پسند کرتے ہیں کہ ہر وقت عورت آپ کی نظروں کے سامنے رہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ لوگ عورت کو بیوی، ماں یا بیٹی بنا کر اس کا خرچ برداشت کرنا پسند نہیں کرتے، اور یہ دراصل ہوشیاری و کام چوری اور اپنی فرض شناسی سے فرار ہے۔ اس لیے بے چاری عورت کو کام کرنے پر آپ لوگوں نے اُبھارا تاکہ اس طرح اپنی روزی کما سکے۔

۱　عجیب لطیفہ خیز بات یہ ہے کہ جن مسلم ملکوں میں یورپ کی نقالی میں عورتوں کو باہر نکالنے اور کام کرنے پر مجبور کیا گیا ہے وہاں پر اجتماعی و اقتصادی پریشانیاں دُور ہونے کے بجاے کچھ اور بڑھ گئیں۔ اگر کسی ملک کے سارے مرد کام پر لگے ہوں، اور پھر بھی کام پورا نہ ہوتا ہو تو بہر حال عورتیں اپنے دوسرے اہم کاموں کو چھوڑ کر ان غیر اہم بیرونی کاموں کو کر سکنے کا سوچ بھی سکتی ہیں ___ لیکن، جب کہ لاکھوں اور کروڑوں مرد بے روزگاری اور فاقہ کشی کا شکار ہیں اور ان کے لیے کام یا نوکری نہیں ملتی، تو کیا یہ عدل و انصاف کی بات ہے کہ جب ہر قانون عورت کے خرچ کی ذمہ داری مرد پر ڈالتا ہے اور دوسری طرف کسی گھرانے میں میاں اور بیوی دونوں کما رہے ہیں اور کوئی گھرانا ایسا ہے کہ اس میں ایک بھی فرد برسرِ روزگار نہ ہو۔ اجتماعی زندگی میں نقصانات، اقتصادی بحران اور ازدواجی مشکلات کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر مردوں کی جگہوں پر عورتوں نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور مرد ملازمت نہیں کر پاتے جس کی وجہ سے وہ شادی اور اس کے لوازمات کو پورا نہیں کر سکتے۔

اس کے برعکس ان دونوں چیزوں کا وجود ہمارے اسلامی معاشرے میں نہیں۔ کیوں کہ اولاً تو اسلام میں اختلاط مرد و زن کو پسند نہیں کیا گیا، اور دوم یہ کہ ہمارے یہاں کے مرد ہر جگہ عورتوں کو دیکھنے کے مشتاق نہیں، اور اسلام میں نفقہ (عورت کے خرچ) کا قانون ایسا سلیم الفطرت ہے کہ اس میں ہر شخص پر اپنی بیوی، ماں یا غیر شادی شدہ بیٹی کا خرچ واجب ہے۔ [1]

اس لیے عورت کو اپنے فرائض منصبی کی طرف پوری طرح متوجہ رہنے کا وقت ملتا ہے اور وہ اپنے بچوں اور گھر کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ اس لیے یہ ممکن ہے کہ ہم آپ سے سائنسی ترقی لیں لیکن اپنی گھریلو زندگی کو نہ بگاڑیں اور اپنے اخلاق کو نہ بگاڑیں۔ آپ کے مشہور جرمن ہفت روزہ Stren کی حالیہ رپورٹ کے مطابق جرمنی میں کام کرنے والی اکثر لڑکیوں نے بتایا کہ وہ کام اس لیے کرتی ہیں کہ اگر وہ کام نہ کریں تو ان پر خرچ کرنے والا کوئی نہیں، یا پھر اس لیے کام کرتی ہیں کہ اپنے لیے شوہر تلاش کریں، اور عورت کو ان دونوں چیزوں کی ضرورت ہماری مسلم سوسائٹی میں بالکل نہیں۔

w مجھے یقین ہے کہ آپ لوگ ہماری مغربی تہذیب کے بُرے پہلوؤں سے بچ نہیں سکتے ہیں۔

r السباعی: مجھے یقین ہے کہ ہم بچ سکتے ہیں، مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ہماری مسلم حکومتیں اسلامی اقدار کی محافظ ہوں، اور ہماری اس مادی ترقی کی صحیح توجیہ و نگرانی کریں اور اپنے تشخص کی حفاظت کے معاملے میں فکرمند ہوں اور مغرب کی کورانہ تقلید سے باز آ جائیں۔

w چلیے، دوسرے موضوع پر بات کرتے ہیں۔ یہ تو واضح ہے کہ یورپ میں کیتھولک گرجا گھروں نے دلوں میں اپنی جگہ باقی رکھی ہے، کیوں کہ اس نے زمانے کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا ہے، [2] تو کیا اسلام میں اس کی کوئی گنجایش ہے کہ وہ زمانے کے تقاضوں کا ساتھ دے؟

---

۱ اسلامی قانون میں عورت ہر حیثیت سے اپنا خرچ حاصل کرتی رہے گی اگر اس کا بھائی، باپ، شوہر یا بیٹا کوئی بھی نہیں تو بیت المال سے اس کو رقم دی جائے گی۔ اس اسلامی قانون کی ایک ہلکی سی جھلک عالمِ عرب کے قوانین میں بھی پائی جاتی ہے جس کی رُو سے عورت کا نفقہ قانوناً سب سے قریبی عزیز کو اٹھانا پڑتا ہے اور اگر وہ اس سے انکار کرے تو عدالت کے ذریعے کارروائی کی جاتی ہے۔

۲ فشر صاحب کا یہ مفروضہ بھی علمی اعتبار سے درست نہیں ہے کہ گرجا نے اپنی جگہ باقی رکھی ہے۔ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ یورپ کے زمانہ ترقی میں گرجا اور علم، یعنی یونی ورسٹیوں میں زبردست لڑائی ہوئی تھی ←

r السباعی: پہلے آزادی اور زمانے کے تقاضوں کا صحیح مفہوم متعین کرلیں تو بہتر ہے۔ مغربی گرجا گھروں نے تو یہاں تک زمانے کا ساتھ دیا کہ لڑکوں اور لڑکیوں کے مخلوط کلبوں کا افتتاح کیا جس میں رقص و شراب کا ہنگامہ ہو اور یہ سب پادری کی زیرنگرانی ہو، بلکہ وہ خود ہی اس 'ترقی پسندانہ' کام کی ابتدا بھی کرے۔ اسی طرح جوان عورتوں اور مردوں کے مخلوط تفریحی سفر (tours) وغیرہ بھی کرائے، جن کے ساتھ ان اخلاقی گناہوں سے بچنا ناممکن ہے جن کو تمام مذاہب نے منع کیا ہے۔ اس لیے اگر آپ کا خیال ہے کہ اسلام اس حد تک، زمانے کا ساتھ دے سکتا ہے تو یہ بالکل خام خیالی ہے کیوں کہ اسلام کے اپنے آداب، اخلاق اور قوانین ہیں اور ان سے نکلنے کے بعد انسان اسلام سے گویا خارج ہو جاتا ہے۔ اور اس مذہب و عقیدے کا کیا فائدہ جو شہوات و خواہشات کے اژدھے کو نظم و ضبط کا پابند نہ بنا سکے اور گناہ و فسق کے ارادوں کی حد بندی کو نہ پامال کر سکے۔ [1]

w ایسی صورت میں تو آپ لوگوں کو ہی بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا کیوں کہ گرجے نے تو بہت سی چیزوں سے چشم پوشی کر لی۔

← نیز گرجا گھروں اور بادشاہوں میں وہ ہنگامے برپا ہوئے تھے کہ یورپ نے ہر فکر اور ہر روشنی کو بند کر دیا تھا۔ ارسطو [م: ۳۲۲ ق م] اور ابن رشد کی کتابیں حرام قرار دے ڈالی گئی تھیں۔ نکولس کوپرنیکس [م: مئی ۱۵۴۳ء] اور گلیلیو گلیلی [م: جنوری ۱۶۴۲ء] کو اپنے فلکی نظریات بدلنے پڑے تھے، برونیس [م: جون ۱۶۰۷ء] کو اپنی آرا پر جمے رہنے کی وجہ سے گرجے کے عتاب سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اور آج بھی ویٹیکن کی قرارداد کے مطابق ہزاروں کتابیں کیتھولک کے لیے پڑھنی منع ہیں۔ اس لیے عوام سے بھی گرجا کی سخت لڑائی ہوئی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ گرجا کے پاس اجتماعی زندگی کے لیے کوئی ایسا قانون نہ تھا، جو زندگی کو سکون بخش سکے بلکہ راہبوں کی شادی کی ممانعت، طلاق کی ممانعت، نیز دوسرے ظالمانہ اجتماعی قوانین کی وجہ سے ہمیشہ یورپ کے قانون سازوں اور تجدید پسندوں نے گرجے کے اثر سے اپنے آپ کو آزاد کرنا چاہا اور آخرکار گرجا نے گویا اپنی ہار مان لی اور اب لوگوں کی خواہش کے مطابق چلنے لگا۔ اسلام میں چوں کہ ایک کامل و مکمل اجتماعی قانون ہے، اس لیے کبھی مسلمانوں کو اس بات کی ضرورت نہیں پڑ سکتی کہ وہ اسلام کے خلاف ہنگامہ کریں، اور جو ایسا کرتے ہیں وہ نام کے مسلمان ہیں۔

r السباعی: یہ بات بتایئے: زنا کاری اور شراب نوشی آپ کی نظر میں بُری چیز ہے یا نہیں؟

w صرف بُری چیز ہی نہیں بلکہ دونوں حرام ہیں۔ [1]

r السباعی: لیکن گرجانے اس ضمن میں پسپائی اور لاتعلقی کا رویہ اختیار کیا ہے۔ جرمنی کا مشہور جشن 'کارنیوال' (Carnival) جو شہر مانیر میں تین دن تک جاری رہتا ہے اور بڑے روزے سے قبل تین دن تک اس میں ہر انسان ہر اخلاقی و دینی قید سے باہر رہتا ہے، اور اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ہر سال دوسرے سال کے مقابلے میں اس جشن کے بعد کنواری لڑکیوں کے حاملہ ہونے کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ [2] اب بتایئے کہ اس کے بعد گرجا کا کیا اثر دلوں میں باقی رہ گیا؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اسلام بھی اسی طرح زمانے کے ساتھ چلنے لگے؟

یہ بات آپ کو معلوم ہوگی کہ آپ کے یورپ میں عوام گرجے کی پیروی اس طرح نہیں کرتے جس طرح گرجا چاہتا ہے اور باوجود یہ کہ حکومتیں گرجے کا خیال رکھتی ہیں اور اس کے نام سے ایک ٹیکس لیا جاتا ہے، لیکن اس سب کے بعد بھی عوام الناس گرجے سے بدظن اور متنفر ہوتے جارہے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے بدھ مت قبول کر لیا ہے اور یہ آپ کو معلوم ہوگا کہ بدھ مت ایک بت پرست مذہب ہے۔ انسانی عقل نے ظلمت و جہالت کے دور میں اسے قبول کیا تھا۔ لیکن جرمنی اور یورپ کی عقل اسے بیسویں صدی میں کیوں کر قبول کرتی ہے۔ اس لیے آپ ہی بتایئے کہ مغربی معاشرت میں اس پسپائی پسند گرجے کے اثرات کہاں ہیں؟ بہرحال، اسلام اس قسم کی کوئی نرمی نہیں برت سکتا جس کی رو سے شہوات و خواہشات کو جائز کر دیا جائے۔ اسلام زمانے کا ساتھ اس حد تک دیتا ہے کہ ہر مفید اور نفع بخش چیز سے استفادہ کرتا ہے اور علم کو وسائل

---

[1] اہل کتاب کے مذاہب میں شراب، شہوت و لذت کے لیے پینا صحیح نہیں ہے۔ یہود کے یہاں ایک خاص عید (Passover Seder) جسے وہ مصریوں سے اہلِ یہود کی رہائی کی مناسبت سے مناتے ہیں، کے موقعے پر مذہبی رسم کے طور پر پی جاتی ہے۔ مسیحیوں کے یہاں بھی ان کی خصوصی مذہبی رسم عشاء ربانی کے وقت پی جاتی ہے۔ حیرت انگیز مشابہت ہے اس جشنِ مے خواری اور یونان کے صنم پرست معاشرے میں کہ جہاں معبود شراب ریونیوس (باکوس) کے اعزاز میں جشنِ مسرت منایا جاتا تھا اور وہاں شراب نوشی ہوتی تھی۔

[2] دیکھیے مضمون کے آخر میں حاشیہ نمبر ا

اخذ کرنے کے بعد فکری ترقی کا ساتھ دیتا ہے۔ الحمدللہ ہمارے مسلم نوجوان یورپ و امریکا کی یونی ورسٹیوں میں جا کر اعلیٰ تعلیم بھی پاتے ہیں اور آپ کے تمدن کے بیچ میں رہ کر بھی اپنے اخلاق و کردار کی حفاظت کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کے پڑوسی اور اساتذہ سب ان کا احترام کرتے ہیں۔ میں نے جرمنی میں خود یہ بات اپنے کانوں سے سنی کہ لوگ ان کے حُسنِ کردار پر حیران ہوتے ہیں اور بعض نے مجھ سے انھی چند با اخلاق و باعصمت نوجوانوں کے متعلق کہا کہ ''یہ فرشتے ہیں اور ہم چیلنج کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں ایسے با اخلاق، پاک باز اور اچھے نوجوان نہیں مل سکتے''۔

یہ ہے اسلام میں نرمی اور زمانے کے ساتھ چلنے کی مثال کہ کسی بھی دوسرے کی تعلیمی، فکری اور تعمیری صلاحیتوں سے پورا استفادہ کرنے، اور شر کی دوزخ میں رہ کر بھی شعلۂ شر سے محفوظ رہنا اور اخلاقی سیلاب بلا سے اس طرح پار ہوجانا کہ سر دامن بھی تر نہ ہوجائے۔ یہ واضح مثال اس بات کی ہے کہ مغربی تمدن کی خرابیوں سے اگر مسلمان چاہیں اور پختہ عزم و ارادے کے ساتھ چاہیں تو بچ سکتے ہیں۔

w یہ بات درست ہے۔ مجھے بھی جرمنی میں بعض ایسے نوجوانوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو مسلمان ہیں اور وہ ہر قسم کی گندگی سے محفوظ ہیں اور تہذیب جدید کی دل لبھانے والی جنّت کی تباہ کن رعنائیوں سے بہت دُور ہیں۔ اس ضمن میں جب مَیں نے اپنی ایک ریڈیائی تقریر میں یہ کہا تھا کہ بعض ایسے نوجوان بھی جرمنی میں رہتے ہیں جو اپنی عمر کی پچیس بہاریں طے کر چکے ہیں، لیکن جنسی اتصال و تجربے سے اب تک قطعاً محروم اور کنارہ کش ہیں، تو میری اس بات کو سچ ماننے سے لوگوں نے انکار کر دیا، بلکہ میری اس بات کو سرے سے جھٹلا ہی دیا گیا، حالاں کہ یہ ایک واقعاتی حقیقت ہے۔[۲] آپ نے کارنیوال کے جشن کا جو تذکرہ کیا ہے، اس کا سبب کیتھولک گرجا میں 'اعتراف' (Confession) ہے[۳] اور اسلام میں اس قسم کا کوئی عقیدہ نہیں پایا جاتا، اور اسی وجہ سے وہ جنسی بے راہ روی سے بڑی حد تک کنارہ کش رہتے ہیں۔

r السباعی: میں یہی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم آپ کے ملک میں کسی اجتماعی یا اخلاقی فضیلت تلاش کرنے نہیں جاتے کیونکہ اس کی کامل قدریں ہمارے پاس موجود ہیں، بلکہ ہم صرف سائنس اور علمی ترقی کے تجربوں سے استفادہ کرنے جاتے ہیں اور اس بات کا خیال رکھنے کی

کوشش کرتے ہیں کہ غلطیوں میں نہ پڑیں۔

W آپ کا بہت شکریہ، آپ نے مجھے ہماری سوسائٹی کی بعض اجتماعی خامیوں سے آگاہ کیا اور اس حقیقت کا پتا بھی دیا کہ آپ لوگ اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں اس بات کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے اسلام کی اصولی آرا سے متعلق ایسی معلومات دیں کہ میرا سابق نظریہ بدل گیا۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ اسلام اور اسلامی تمدن، نیز مسلم ملکوں کی تہذیبی مشکلات کے بارے میں، میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ لیکن اب مجھے اندازہ ہوا کہ میں بہت سی چیزوں سے ناواقف ہوں۔

حواشی

۱- مغربی دُنیا میں گرجا کی سرپرستی میں عصمت فروشی کے واقعات، تاریخ کا ہر پڑھا لکھا شخص جانتا ہے۔ اس مناسبت سے علّامہ محمد اقبال کا شعر کتنا موزوں ہے:

حاضر ہیں کلیسا میں کباب و مئے گُلگُوں
مسجد میں دھرا کیا ہے بجز مَوعظہ و پند

یہ ایک عجیب و غریب حقیقت ہے کہ اسلام کے سوا دنیا کے تمام قدیم عبادت خانوں کے زیرسایہ عصمت فروشی اور حرام کاری کا دھندہ جاری رہا۔ جب دنیا نے ذرا ترقی کر لی تو یہ کام ذرا چھپ کر ہونے لگے۔ کبھی یہ حرام کاری کا جشن، معبود وتموز یا اوڈیون کے معبودہ عشتروٹ سے اتصال کے وقت جب زمین پر بہار آئی تھی تو منایا جاتا، یا مصر کے معبود آبیس (جو بچھڑا تھا) کے سامنے دین کا جز و سمجھ کر باہمی جنسی اتصال کیا جاتا تھا۔ اس حرام کاری کو گناہ نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ ایک مقدس محبوب فریضہ سمجھ کر اس کو ادا کیا جاتا تھا۔ پروفیسر فلپ کے ہٹی [م: دسمبر ۱۹۷۸ء] کے بیان کے مطابق یہ قدیم قوموں میں سے بابل، قبرص، یونان، سسلی، کارتھیج وغیرہ میں عام تھا۔ گستاؤ لی بان [م: دسمبر ۱۹۳۱ء] اپنی کتاب 'آشور و بابل کا تمدن' میں اس رسم کے سلسلے میں عظیم یونانی مؤرخ ہیروڈٹ کے حوالے سے رقم طراز ہیں: ''بابلی عورت پر ایک عجیب و غرب شرمناک چیز واجب تھی اور وہ یہ کہ زندگی میں ایک بار وینس (زہرہ) کے مندر میں جا کر اپنا جسم کسی بھی اجنبی مرد کے حوالے کر دے اور اکثر ایسی لڑکیاں جو سمجھ دار اور حیادار ہوتی تھیں اس عادت سے ان کو نفرت ہوتی تھی، تو وہ معبد تک زبردستی کر کے سواری میں بٹھا کر لے جائی جاتی تھیں اور معبد کے مقدس احاطے میں ان کو بٹھایا جاتا تھا اور جو شخص بھی ان کی جھولی میں کچھ رقم ڈال دے، ان کو اس کے

ساتھ جنسی اتصال کرنا ضروری ہوتا تھا اور یہ رسم گویا ایک مذہبی جزو تھی‘‘۔

اس عادت کے مطابق کتابِ مقدس نبیؑ بنی اسرائیل حزقی ایلؑ کو جب یروشلم کی سیر کرائی گئی اور یہ بتایا گیا کہ وہاں کے لوگ دین سے کس طرح پھر چلے ہیں اور باطل عادتوں میں مشغول ہیں تو وہیں اس عادت کی طرف اشارہ کیا گیا: ’’پھر وہ مجھے خداوند کے گھر کے شمالی پھاٹک پر لایا اور کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں کی عورتیں بیٹھیں تموز پر نوحہ کر رہی ہیں (حزقی ایل ۸:۱۴)۔ اور اس عادت کے پیش نظر ہی سفر استثناء میں حضرت موسیٰؑ نے اعلان کر دیا تھا کہ ’’کسی فاحشہ کی آمدن یا کتے کی اُجرت کسی منت کے لیے، حتیٰ کہ اپنے خدا کے گھر میں نہ لانا۔ کیوں کہ یہ دونوں تیرے خدا کے نزدیک مکروہ ہیں (۱۸:۲۳)۔ لیکن ان تمام ممانعتوں کے باوجود تاریخ انسانیت میں ہمیشہ معبدوں کے زیر سایہ اس حرام کاری کو فروغ دیا گیا اور اکثر مسیحی گرجے تاریخی طور پر زمانۂ وسطیٰ میں اخلاقی انحطاط کے اڈے سمجھے جاتے تھے، حتیٰ کہ تاریخ پاپائیت میں بعض پوپوں کی غیر شرعی اولاد تک پائی جاتی ہے جو پاپائیت کے لیے باعث شرمندگی ہے۔ خصوصی طور پر مسیحیت میں جب سے گریگوری ہفتم [زمانہ: ۵ مئی ۱۰۴۵ء-۲۰ دسمبر ۱۰۴۶ء] نے گیارھویں صدی میں راہبوں اور پادریوں کی شادی بالکل بند کر دی تو اس فطری تقاضے کو پورا کرنے کے لیے ہر قسم کی بندشوں کو گرجا والوں نے توڑ ڈالا اور گرجا اس اخلاقی فساد میں پڑ گیا، جس کو دیکھ کر مارٹن لوتھر [م: نومبر ۱۴۸۳ء] جیسا مذہبی شخص شمشیر برہنہ ہو گیا۔

بہرحال، کارنیوال وغیرہ قسم کے جشن اس جاہلیت قدیمہ کی تقلید ہے اور گرجے نے زمانے کا ساتھ دیتے ہوئے اسے بھی جائز کر دیا ہے۔ لیکن اسلام کا اجتماعی نظام اتنا متوازن ہے کہ اس نے شروع ہی سے فرد کے فطری تقاضوں کا پورا خیال رکھا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلام نے پہلے دن سے اخلاقی زندگی کی دعوت دی، حرام کاری کو ہر جگہ منع کیا، چاہے وہ تنہائی میں ہو یا سب کے سامنے، معبد کے اندر ہو یا کلب کے زیر سایہ، غنڈوں کی سرپرستی میں ہو یا کاہن، راہب اور عالم کی نگرانی میں ہو۔ اسلام میں حرام وحلال کا معیار صرف کتاب الٰہی اور سنت رسول اللہ ہے۔ کسی کمیٹی، کسی گرجا، کسی عالم وفقیہ کو کسی ایسی بدعت ایجاد کرنے کی اجازت نہیں ہے، جو حکمِ الٰہی کے خلاف ہو۔ اسی لیے اسلام میں نہ گرجا ہے اور نہ پاپائیت اور نہ معبد کا وہ گھٹیا تصور جو قدیم تہذیبوں میں ملتا ہے۔ جو لوگ اسلام کے نام پر مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماع کرتے ہیں اور بدعتوں کو رواج دیتے ہیں اور اسلام کے نام پر اس نوعیت کے جشن مناتے ہیں جہاں محارمِ شریعت چیزیں رُونما ہوتی ہیں، اسلام ان سب سے بری ہے۔ دراصل یہ بدعتیں، رعایتیں اور خباثتیں قدیم پاپائی مزاج کی پیدا کردہ ہیں۔ اسلام کا معمولی سا شعور رکھنے والے خواتین وحضرات ان سے کوسوں دُور بھاگتے ہیں۔

۲- اور یہ انکار کرنے والے جرمن عوام وہ ہیں کہ جو بداخلاقی اور عریانی و برہنگی اور شہوت رانی کے درجۂ اسفل پر پہنچ چکے ہیں، اور حرام کاری ان کی سوسائٹی میں اس درجہ عام ہو چکی ہے کہ اگر کسی کے متعلق ان سے یہ کہا جائے کہ وہ گناہ نہیں کرتا تو وہ اس کو اپنے آئینہ کردار میں دیکھ کر جھٹلاتے ہیں اور اس بات پر ان کو یقین ہی نہیں آتا۔ یہ مسیحی امت جو کسی کو اخلاقی بدکرداری سے محفوظ نہیں سمجھتی، وہ ہے جس کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زندگی بھر حرام کاری جیسے گناہ کی بات تو ایک طرف رہی، جائز طور پر شادی کے ذریعے بھی جنسی اتصال نہ کیا۔ بہرحال، ترقی وتہذیب نے کہاں جا کر دم توڑا ہے کہ وہ قوم اور معاشرہ اور مذہب جس کو ہر ہر جگہ زنا اور حرام کاری سے روکا گیا تھا، وہ اب اس بات کی تصدیق کرنے سے بھی انکار کر دیتا ہے کہ روے زمین پر کوئی سوسائٹی اس حیوانی کردار سے محفوظ ہوگی۔

گرجے کی تعلیم کس طرح عام ہوتی، جب کہ اس کے پاسبانوں نے اپنے اعمال کے ذریعے تعلیم موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام سے رُوگردانی کی۔ یہ اس اُمت کا حالِ زار اور اخلاقی دیوالیہ پن ہے، جس کو بائبل میں حضرت موسیٰؑ نے 'وصایاے عشرہ' میں سے ایک اہم وصیت یہ کی تھی کہ 'تو زنا نہ کرنا' (خروج ۲۰:۱۴)، اور انبیا بنی اسرائیل نے بار بار اس ممانعت کو دہرایا تھا، اور حضرت مسیح علیہ السلام کہ جن کے نام پر ہر مسیحی بظاہر قربان ہو جاتا ہے کن واضح الفاظ میں زنا کی لعنت کے متعلق ارشاد فرمایا تھا: ''تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بُری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔ پس، اگر تیری داہنی آنکھ تجھے ٹھوکر لگائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضا میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے'' (متی ۵:۲۷ تا ۲۹)۔ حضرت مسیح g کے ماننے والوں نے ترقی وتہذیب اور تمدن کے نام پر بداخلاقی وحیا سوزی، عریانی و برہنگی اور شہوت رانی اور لذت جسمانی کے جو نئے نئے طریقے ایجاد کیے ہیں، ان پر شرم وحیا ہی نہیں بلکہ وحشی درندگی بھی اپنا منہ چھپا لیتی ہے اور ایسے ہی انسانوں کے متعلق شاید اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''وہ تو جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ''۔

۳- 'اعتراف' (Confession) کے معنی 'اقرار' کے ہیں، لیکن مشرقی و مغربی گرجا، یعنی کیتھولک اور آرتھوڈوکس کے نزدیک یہ گرجا کے 'سات رازوں' میں سے ایک ہے۔ صرف پروٹسٹنٹ نے اس کو رازوں میں شمار نہیں کیا۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ معافی کے تصوّر سے اپنے گناہوں کا اعتراف سرکاری کاہن یا پادری کے سامنے کرنا کہ اس اقرار ہی کے ذریعے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ کیتھولک گرجا کی تعلیم کے مطابق یہ 'اعتراف واقرار' ہر اس شخص پر واجب ہے جس نے معمودیت (یہ بھی سات رازوں میں سے ایک ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ کاہن سر پر تیل مل کر گویا مسیحیت میں داخل کرے) کے بعد کوئی گناہ کبیرہ کیا ہو،

اور چھوٹی غلطیوں کے سلسلے میں 'اعتراف' ایک مفید چیز ہے۔ مجمع لاٹران نے ۱۲۱۵ء کے قانون میں کہا ہے کہ: ''جو لوگ بھی بڑے گناہوں کے خطا کار ہیں، ان پر سال میں ایک بار اعتراف واجب ہے اور مرنے والے شخص پر بھی، یا وہ جو کسی ایسے کام پر جا رہا ہو جس میں مرجانے کا امکان ہو۔ کاہن کسی صورت میں بھی اعتراف کرنے والے کے راز کو فاش نہیں کرسکتا، اگرچہ عدالت بھی اس سے پوچھے اور اگر اس نے ایسا کیا تو گرجا اس کو سخت تادیبی سزا دے گا''۔ یہی اعتراف مغفرت کے پروانوں کا سبب بنا اور 'پوپ' پیسے لے کر جنت کے ٹکٹ تقسیم کرنے لگے۔ اس تحریک کے تاریخی اُتار چڑھاؤ سے مسیحیت کو نقصان پہنچا اور یورپ کی وحدت جس طرح ختم ہوئی اس سے سب ہی واقف ہیں۔ اس اعتراف کے سلسلے میں پادریوں کے حوالے سے عقیدہ ہے کہ وہ علمِ غیب اور پردے کی چیزیں بھی جاننے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں خبر ملاحظہ ہو: ''پادری صاحب نے گرجا میں جماعت کو مخاطب کرکے کہا کہ ہمارے اس مجمع میں ایک شخص ایسا موجود ہے جو دوسرے کی بیوی سے چھیڑ چھاڑ رکھتا ہے۔ اسے چاہیے کہ گرجا کے امدادی بکس میں فوراً پانچ ڈالر کی رقم ڈال دے، ورنہ اس کا نام میں اسپیکر پر سے پکار دوں گا۔ کچھ دیر بعد جب وہ بکس کھولا گیا تو کُل ۲۰ کلیساؤں کے مجمع سے ۱۹ کی طرف سے ۵،۵ ڈالر کے نوٹ نکلے اور ایک طرف سے دو ڈالر کا نوٹ مع اس پرچی کے ساتھ نکلا کہ بقیہ ۳ ڈالر پہلی کو تنخواہ ملنے پر'' (صدق جدید، ۱۲ نومبر ۱۹۶۵ء، مدیر: مولانا عبدالماجد دریابادی)۔ یعنی گرجا کے پجاریوں میں سو فی صدی ضمیر فروش اور بد باطن ثابت ہوئے اور گناہ سے اس لیے نہیں بچتے کہ وہ گناہ ہے، بلکہ پادری کے خوف سے اس کا اقرار کرتے ہیں اور صرف پانچ ڈالر ادا کرنے کے بعد ان کے گناہ سے چشم پوشی بھی ہو جاتی ہے اور گویا اس کی اجازت بھی۔

اس کے برخلاف اسلام نے صرف خدا سے توبہ واستغفار کا مطالبہ کیا اور کسی بھی انسان کے سامنے اعتراف گناہ وغیرہ کا ناقص و مضر عقیدہ نہیں رکھا اور نہ اس سے گناہ معاف ہوں گے۔ گناہ کا کفارہ صرف اچھے اعمال اور اللہ سے توبہ ہے۔ جو شخص بھی بلا کسی وسیلے کے اللہ ہی کی جناب سے تائب ہوگا اور دل کی تڑپ کے ساتھ اللہ ہی سے مانگے، اس کے لیے توبہ کا دَر کھلا ہے اور اس کی تعلیم انسانوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر اس طرح دعا کی: ''اگر میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہوں۔ پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جب وہ پکارے، تو مجھ سے ہی مانگو اور مجھ ہی پر ایمان لاؤ'' (البقرہ ۲:۱۸۵)۔ اس بات کا یقین کہ خدا شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں اور سننے والے، معاف کرنے والے، قدرت والے ہیں، ہر قسم کے باطل عقیدوں، اعتراف واقرار کے افسانوں اور مغفرت کے پروانوں سے مسلمان کو محفوظ رکھتا ہے۔